از قلم الم رقم

جناب ضیاء بانو صاحبہ

مصنفہ

انجام زندگی

جسے

محمد عباس حسین قاری ایڈیٹر رسالہ تمدن نے

اپریل ۱۹۲۴ء میں

مرزا محبوب بیگ کی محبوب المطابع میں چھپوا کر

دفتر رسالہ تمدن ٹیا محل دہلی سے شائع کیا

قیمت ۱۲؍

کتبہ حامد حسین خوشنویس گلی انبیاء دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

جن لوگوں نے حسن زمانی بیگم کی جوانی اور ان کا لڑکپن دیکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک یہی کہتا ہے کہ ان کی صورت شکل۔ ناک نقشہ۔ غرض یہ کہ نک سک ہر چیز درست تھی۔ جس محفل میں دیکھو سب کی نظر انہیں کی طرف پڑتی تھی گلاب کو مات کرنے والے رخسار۔ نرگس کو شرمانے والی آنکھیں غنچہ دہن۔ سرو قد۔ ان سب کو ملا کر خدا نے حسن زمانی کو بنایا تھا۔ وہ کیا چیز ہونگی۔ اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے ان کا شباب دیکھا ہے۔ آج ان کی جوانی گذر چکی۔ بڑھاپا آگیا لیکن آج بھی ان کی شکل و صورت میں کوئی عیب نکالنا ناممکن ہے۔ اس شکل و صورت پر حسن زمانی بیگم دسوں انگلیاں دسوں چراغ۔ خانہ داری اور سینے پرونے کاڑھنے میں ہوشیار اور پھر خوش مزاج اور ملنسار غرضکہ حسن زمانی بیگم عملی زندگی میں بھی ایک ایسی امتیازی حیثیت رکھتی ہیں جن کی اگر تقلید کی جائے۔ تو یقیناً عورت قابل احترام عورت بن سکتی ہے۔ آج کل کی لڑکیوں کو دیکھو تو ان کا عجیب حال ہے اگر جسم سے کہیں آنکھ ناک درست ہے تو بیوی بننے کے دماغ ہی نہیں لئے جاتے۔ [illegible]

ہیں یعنی ان کے لئے قسم ہے پہلی تک توڑنے میں ان کو تامل ہے۔ باورچی خانے میں
جانا تو ان کے لئے کفر کے برابر ہے۔ خانہ داری سے انہیں واسطہ نہیں، بچوں
کی پرورش سے تعلق نہیں۔

حسن زمانی ایک غریب گھر میں پیدا ہوئیں۔ اور ایک غریب آدمی کو بیاہی گئیں۔ اگر
ابتدائی حالت کو دیکھو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کی بڑی زبردست تھیں لیکن ان
کی گذشتہ بیس سال کی زندگی پر نظر ڈالو تو بدنصیبی کا ایک ڈھیر ہے جو ان کی زندگی پر
پڑا ہوا ہے۔ مشکلات کا ایک پہاڑ ہے جو ان کے سامنے ہے۔ تکلیفوں کی ایک پوٹ ہے
جو ان کی کمر پر رکھی ہوئی ہے۔

فرخ مرزا اس وقت جب ان کی شادی ہوئی صرف آٹھ آنہ روز کے مزدور تھے۔
لیکن شادی نے ان کے ستارے کو چمکا دیا۔ اور کوئی پانچ ہی برس میں معمولی کاریگر
سے کارخانہ دار اور پھر صاحب جائداد ہو گئے۔

آٹھ آنے روز کی اوقات ہی کیا لیکن حسن زمانی نے شادی کے چھ مہینے بعد ہی
سے سلائی کا کام شروع کر کے گھر کی آمدنی میں غیر معمولی اضافہ کیا۔ اور پھر اپنی سلیقہ مندی سے
اس پیسہ پیسہ جوڑ کے تھوڑا سا سرمایہ جمع کیا۔ جو مصیبتیں انہیں اٹھانی پڑیں یہ ان کا حق تھا
کہ فرخ مرزا مرتے دم تک ان کی قدر کرتا لیکن جوں ہی کاروبار میں ترقی ہونی شروع
ہوئی مرزا صاحب کی [illegible] گئی۔ شکر گذاری سب فنا ہو گئی۔ اور صاحب جائداد
ہوتے ہی وہ اپنی ہستی کو بھول گئے۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ اچھی
قابل قدر بیوی کو بھولنے لگے۔ کسی شاعر نے خوب لکھا ہے ؎

بادہ نوشیدن و ہشیار نشستن سہل است
گر بہ دولت برسی مست نہ گردی مردی

دولت کے نشہ نے فرخ مرزا کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ اور گھر کے اندر کی نسبت

گھر کے باہر کی تفریح ان کی توجہ کو زیادہ کھینچنے لگی۔ کسی پر طوفان لینے کی ضرورت نہیں
آتا تاہم پھر بھی کہیں گے کہ فرخ مرزا نے اس کو نتیجے میں بھی کفایت شعاری کو مقدم سمجھا اور
ایک نہایت نیچے درجہ کی عورت سے ملنا شروع کر دیا۔

فرخ مرزا کی زندگی میں اس انقلاب کے ساتھ ہی حسن زمانی بیگم کی تاریک زندگی
کا دور شروع ہو گیا۔ فرخ مرزا کے ہاں صرف ایک لڑکا پیدا ہوا تھا زچہ خانہ میں کچھ ایسا بگاڑ
پڑا کہ حسن زمانی کے اور کوئی اولاد نہ ہوئی۔

وحیدن سے تعلق پیدا ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد سے مرزا صاحب کا رنگ بالکل
ہی پلٹنے لگا۔ بیوی گراں معلوم ہونے لگیں۔ اور بچہ وبال۔ لیکن ابھی تک مرزا صاحب
نے بیوی کو خرچ سے تنگ نہیں کیا۔

لوگ کہتے تھے کہ وحیدن کا بھوت مرزا صاحب کے سر سے بہت جلد اتر جائیگا
لیکن وحیدن اس بلا کی عورت تھی کہ اس نے مرزا صاحب کو اس قدر قابو میں کیا کہ
وہ اس کے کوڑیا غلام ہو گئے۔ اور لوگ یہ معلوم کر کے کہ مرزا صاحب کا وحیدن
سے نکاح ہو گیا ہے۔ حیرت میں رہ گئے۔

آج تک وحیدن بھی زندہ ہے اور حسن زمانی بیگم بھی۔ ہماری آنکھوں نے ایک
ہی محفل میں دونوں کو دیکھا ہے۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک اگر
نور ہے تو دوسری ظلمت، ایک اگر سفید ہے۔ تو دوسری سیاہ۔ بات کرنے کا سلیقہ
وحیدن کو نہ اٹھنے بیٹھنے، نشست و برخاست کے طور طریق سے وہ ناواقف۔ لیکن حقیقت
یہ ہے کہ:-

"جسے پیا چاہے وہی سہاگن ہے"

[illegible]

[illegible]

اس کی لونڈی۔

(۲)

دن مصیبت کے ہوں یا عیش کے پلک جھپکتے ہی گزر جاتے ہیں۔ آج وحیدن کے نکاح کو تقریباً بیس برس ہو گئے۔ مرزا صاحب نے ایک علیحدہ گھر اس کے لئے خرید دیا۔ اور خود بھی اب وہیں رہتے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ روز ایک پھیرا ادھر کا بھی کر جاتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

"مایا تیرے تین نام پرسا۔ پرسی۔ پرسں رام"

اسی طرح جناب مرزا صاحب نے بھی۔ مخز د، فرخ مرزا سے اب مرزا صاحب تک ترقی کر لی ہے۔ معمولی کاری گر سے کارخانہ دار پہلے ہی ہو چکے تھے۔ اب سوداگر ہو گئے ہیں۔ احمد مرزا یعنی حسن زمانی کا لڑکا ماشاء اللہ جوان ہے۔ اور اس کی شادی کی فکر حسن زمانی اور مرزا صاحب سے زیادہ وحیدن کو ہے۔ اس لئے کہ وحیدن ایک نہایت دوررس خیال سے اس لڑکے کی شادی اس لڑکی سے کرنا چاہتی ہیں۔ جو نکاح کے وقت ان کے ساتھ آئی تھی۔

مرزا صاحب اس پر کچھ نہ کچھ راضی ہیں۔ لیکن ابھی کوئی فیصلہ نہ دینے پائے تھے کہ حسن زمانی نے رونا پیٹنا ڈال دیا۔ ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہوتی کہ اپنے لڑکے کی شادی ۔ ۔ ۔ بچی سے کر دے۔ خدا کا فضل ہوا کہ اس وقت مرزا صاحب کے بڑے بھائی زندہ تھے۔ وہ بیچ میں پڑے اور بی وحیدن کی ہوس دل کے دل ہی میں رہ گئی۔ اور احمد مرزا کی شادی ایک مناسب جگہ ہو گئی۔ وہ دن اور آج کا دن کہ احمد مرزا اور اس کی دلہن وحیدن کے کلیجہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں۔ وحیدن نے یہ کوشش کی کہ دوکان میں سے جو فرخ مرزا احمد مرزا کے نام سے مشہور تھی۔ احمد مرزا کا نام نکال دیا جائے۔ اسے دوکان پر سے اٹھا دیا جائے۔ جو اخراجات دوکان سے اس کے اور اس کی ان

لئے دیئے جاتے ہیں۔ وہ بند کر دیئے جائیں لیکن فرخ مرزا بڑے بھائی کے ڈر سے کچھ نہ کر سکے۔ اتنی بات تاہم ضرور کہیں گے کہ فرخ مرزا بڑے بھائی کا ادب کرتا تھا۔ اور ان کی بات کو ٹالتا نہ تھا۔ یہ لاکھ خوبیوں کی ایک خوبی تھی۔ اور اسی کی بدولت وحیدن کے سارے منصوبے ملیامیٹ ہو گئے۔

ادھر وحیدن کی ساتھ کی لڑکی مجیدن کا بھی ایک باہر کے آدمی کو یہ دھوکہ دیکر کہ وہ مرزا صاحب کی ہی لڑکی ہے جھٹ پٹ نکاح کر دیا گیا۔ کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب اس شخص کو یہ معلوم ہوا کہ مجھے دھوکہ دیا گیا ہے۔ تو اس نے مرزا صاحب پر بندوق چھتیالی لیکن معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ پہلے تو اس شخص نے سال ڈیڑھ سال بیوی کی صورت نہیں دیکھی۔ چاہا کہ طلاق دیدے لیکن مہر کی بیس ہزار کی رقم ایسی نہ تھی کہ وہ مجیدن سے خلاصی حاصل کر سکتا۔ خاموش ہو رہا لیکن اس نے آج کی تاریخ تک اس کے اخراجات کے لئے کوئی رقم مقررہ ادا نہیں کی۔ ادھر مرزا صاحب برابر اپنی لطف کی صاحبزادی اور اس کی اولاد کی کفالت کر رہے ہیں۔ مجیدن اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہے۔ اور اس کا خاوند بھی مہینوں آ کر مرزا صاحب ہی کے ہاں رہتا ہے زچہ خانہ سے لے کر بچوں کی تقریبات کے تمام اخراجات مرزا صاحب کی جیب سے ادا ہوتے ہیں۔

(۳)

اسے حسن زمانی کے خاندان کی بدقسمتی اور وحیدن کی خوش قسمتی کہئے یا محض حسن اتفاق کہ احمد مرزا کے ہاں لڑکا اور وحیدن کے ہاں لڑکی ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی حسن زمانی کے خاندان کی تباہی کی بنیاد پڑ گئی۔

وحیدن کے طرز عمل میں کچھ تغیر ہوا۔ اور اب وہ احمد مرزا کے نام کا کلمہ پڑھتی ہیں اس کی دلہن کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہیں۔ بچہ پر جان چھڑکتی ہیں۔ لیکن اسے صرف وہی

جانتی ہوگی کہ یہ انقلاب کیوں ہوا۔ اس کے نیچے کیا غرض پوشیدہ ہے۔ ابھی سکندر مرزا کی عمر چار ہی سال کی تھی کہ یہ عقدہ کھل گیا۔ فرخ مرزا نے بھی اس خیال کو پسند کیا۔ احمد مرزا نے ہاں تو نہ کی۔ لیکن جب ایک دفعہ یہ خیال اس کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ جب لڑکا اور لڑکی شادی کی عمر کو پہنچیں گے تو دیکھی جائے گی۔

دوسری مرتبہ فرخ مرزا کے ہاں لڑکی۔ اور مجیدن کے ہاں لڑکا ہوا۔ وحیدن لڑکی کی چھٹی میں گئیں تو اسے سونے کے کڑے پہنا آئیں۔ اور کہہ آئیں کہ لڑکی میری ہو گئی احمد مرزا کے بڑے ابا مر چکے۔ اب فرخ مرزا صاحب ہی خاندان کے بزرگ ہیں کسی کی مجال نہیں کہ ان کے خیال کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکال سکے۔ اور مرزا صاحب وحیدن کے کوڑیا غلام۔

جب یہ لڑکے لڑکیاں سیانے ہو گئے تو ان کی شادی کے لئے وحیدن نے بیوی میاں پر اصرار کیا۔ اور اس کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ احمد مرزا اور ان کی ماں دفع الوقتی کرکے اس مصیبت کو ٹالنا چاہتے تھے لیکن ابھی وہ پورے طور پر ٹلنے نہ پائی تھی کہ احمد مرزا کے چچا زاد بھائی نے رفعت زمانی (یعنی احمد مرزا کی لڑکی) کے لئے پیغام دیا۔ اور اس شان سے دیا گویا وہ ایک اعلان جنگ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بذات خود اس پر نہ آتے لیکن ان کے صاحبزادے شوکت مرزا بزعم خود رفعت زمانی پر عاشق ہو چکے تھے۔ اور جب انہوں نے یہ سنا کہ رفعت زمانی کی شادی عنقریب وحید مرزا سے ہونے والی ہے تو انہوں نے رن ٹھن ڈال دیا۔ اور کہہ دیا کہ میں خودکشی کر لوں گا۔ وحید مرزا کی جان لے لوں گا چنانچہ ایک دن انہوں نے وحید مرزا سے کہہ بھی دیا کہ میاں اس خیال کو ترک کر دو ورنہ اس کا نتیجہ برا ہوگا۔ مجھے تو پھانسی ہو گی ہی لیکن میں تمہارے چھری بھونک دوں گا۔ میں اپنی آنکھوں سے یہ نہیں دیکھ سکتا کہ رفعت کو کوئی اور لے جائے۔

فرخ مرزا جیسے تھے جہاندیدہ آدمی تھے لیکن دل کے کمزور تھے۔ انہوں نے

یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال اس گفتگو کو ملتوی کر دیا جائے۔ جب شوکت کے سر کا بھوت کچھ اتر جائے۔ تو پھر سلسلہ جنبانی کی جائے۔ غرضکہ یہ گفتگو کچھ دنوں کے لیے ملتوی ہو گئی اس واقعہ کو ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ وحید ایک روز ہاکی کھیل کر آیا۔ جاڑا شروع تھا لیکن چونکہ گزشتہ رات بارش ہو گئی تھی۔ اس لیے ہوا میں خنکی تھی۔ اس نے حسب معمول اوورکوٹ اتار دیا۔ اور آرام کرسی پر بیٹھ گیا پسینہ میں شرابور تھا۔ ٹھنڈی ہوا بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ اس کے حق میں سم قاتل تھی۔ رات ہی کو نمونیہ ہوا شہر بھر کے ڈاکٹر اور حکیم بلائے گئے۔ اور تین روز میں سب کچھ کیا گیا لیکن سردی بیٹھ چکی تھی۔ لڑکے کا کام تمام ہو گیا۔ اس ناگہانی جوان موت کا صدمہ اپنوں کو جتنا بھی ہوتا کم تھا۔ لیکن غیر بھی اس سے متاثر تھے۔ جو سنتا تھا افسوس کرتا تھا لیکن اسی روز رات کو ہم نے شوکت کے دیوان خانہ میں یہ گفتگو سنی۔

شوکت۔ میاں عظمت دیکھا اسے کہتے ہیں جذبہ محبت۔ میاں رفعت کے خواہاں بنے تھے خدا کو ہماری محبت کی قدر رکھنی تھی۔

عظمت۔ ہاں جناب جذبہ عشق بڑی چیز ہے۔ آہ بیکار نہیں ہوتی ہے۔ سچی محبت ضرور رنگ لاتی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ رفعت اس کی ہو جائے۔ اور تم تڑپو۔ لیکن جو کسی کا برا چاہتا ہے۔ خدا اسی کا برا کرتا ہے۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ یار تمہاری محبت بازاری محبت ہے۔ لیکن ہم کو آج یقین ہوا ہے کہ تمہاری محبت سچی ہے۔

شوکت۔ خدا کی قسم جس دن سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وحید رفعت کو اڑا لے جانا چاہتا ہے۔ اس دن سے نہ پوچھو میری کیا حالت ہے۔ کھانا پینا حرام ہے۔ گھنٹوں راتوں کو رویا کرتا ہوں۔ ابھی پرسوں کا تو واقعہ ہے کہ رات کے بارہ بجے روتے روتے میری بری حالت ہو گئی۔ اٹھا وضو کیا۔ اور خدا سے دعا مانگی کہ یا خدا یا تو مجھے موت دے دے کہ میں اس منظر کو نہ دیکھ سکوں کہ رفعت کسی دوسرے کی ہو یا

ان روڑوں کو صاف کر دے۔ جو میرے اور رفعت کے درمیان حائل ہونا چاہتے ہیں مجھے اسی وقت کچھ اس قسم کی تسکین ہوئی۔ کہ تم سے کیا بیان کروں۔ اور مجھے معلوم ہونے لگا کہ بیڑا پار ہے۔ چنانچہ دیکھ لو خدا نے وہ کیا جس کا سان و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا

عظمت۔ خدا نے تمہاری دعا قبول کرلی۔ لیکن بھائی اچھا ہوتا کہ مرزا صاحب اور وحید بھی اس خیال سے درگزر کرتے۔ اور یہ جوان موت نہ ہوتی۔

شوکت۔ خدا کے بھید خدا ہی جانتا ہے۔ خدا کو وحید اور اس کے نانا کو اس کی سزا دینی تھی۔ کہ وہ یہ جانتے ہوئے کہ مجھے رفعت سے عشق ہے۔ میرے راستے میں آئے۔

(۴)

شوکت نے باپ کے مرتے ہی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ اور رفتہ رفتہ اس کے متعلق یہ بات ہر ایک کی زبان پر تھی کہ "اس میں پانچوں عیب شرعی ہیں" اس پر طرہ یہ کہ مطلق العنان ہوتے ہی اس نے یہ سمجھا کہ سب میرے محکوم ہیں۔ اول تو احمد مرزا کا پہلے بھی یہ خیال نہ تھا کہ رفعت کی شادی شوکت سے کروں گا۔ اس کے عشق کی شہرت اور اس کے موجودہ اطوار نے تو اسے بالکل نظروں سے گرا دیا لیکن شوکت صاحب خدا معلوم کس خیال میں تھے۔ کہ کچھ نہ کچھ تحکمانہ لہجہ میں جلد شادی کے خواہشمند ہوئے۔ اس کا جواب ان کو صاف اور نہایت صاف انکار کی صورت میں ملا۔ بہت جز بز ہوئے پھر پہلے کی سی دھمکیاں دیں لیکن اب اس کے باپ تو مر چکے تھے جو اس کی دھمکیوں سے متاثر ہوتے۔ کسی نے اس کی پروا بھی نہیں کی۔ رفعت کی دادی کو در اصل شوکت سے بہت محبت تھی۔ ان کے پاس آنا جانا چھوڑا۔ ایک آدھ دفعہ بلایا تو صاف کہہ دیا کہ جب آپ کو میری جان کی پروا نہیں تو پھر مجھ سے کیا واسطہ۔ خیال یہ تھا کہ وہ میری صورت دیکھے بغیر زندہ نہ رہ سکیں گی۔ اور احمد مرزا کو شادی پر آمادہ کر دیں گی لیکن یہ بھی نہ ہوا۔ پھر جتایا گیا کہ میرے باپ کی وصیت ہے اس کو پورا کرنا آپ لوگوں پر فرض ہے لیکن یہ

داؤں بھی کارگر نہ ہوا محبت اور عشق سب کافور ہوگئے۔ دشمنی پر اُتر آئے۔ اور اسے بدنام کرنا شروع کیا۔ جہاں کہیں سے اس کے لئے پیام آئے۔ یہ کسی نہ کسی طرح لڑکے والوں کے کسی رشتہ دار سے ملے اور نہایت کمینہ پن کے ساتھ لڑکی کے چال چلن کے متعلق ان کے دل میں شبہ ڈال دے۔ لوگوں کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کبھی شادی بیاہ کے سلسلہ میں کسی کے متعلق پوچھ گچھ کرنی ہوتی ہے۔ تو وہ ایسے لوگوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ جو اس خاندان کے مخالف ہوں۔ اور خیال یہ کرتے ہیں کہ دوست تو سچی بات کیوں کہنے لگا۔ دشمنوں سے حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ لیکن اکثر اوقات انسان اس میں دھوکہ کھا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ میاں شوکت اپنے دیوان خانہ میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کے آدمی جو لباس سے متمول معلوم ہوتے تھے۔ تشریف لائے۔ شوکت نے ان کی تعظیم کی اور انہیں بٹھایا۔ یہ بزرگوار کون تھے۔ ان کے متعلق صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اس لڑکے کے چچا تھے جس کا پیام رفعت کے لئے جانے والا تھا۔ اور ان بزرگ کو کسی طرح یہ معلوم ہوگیا کہ شوکت کے تعلقات فرخ مرزا سے اچھے نہیں ہیں۔

نووارد۔ میاں صاحبزادہ تم تو مجھے پہچانتے ہوگے؟

شوکت۔ جی میں نے آپ کو کبھی دیکھا تو ہے۔ لیکن یاد نہیں۔

نووارد۔ تمہارے والد سے بڑی گہری رسم تھی۔ وہ اکثر میرے پاس جایا کرتے تھے چرخے والوں میں رہتا ہوں۔ اور نواب سکندر مرزا میرے دادا تھے۔

شوکت (جو اس اتنے پتے پر یہ بھانپ گیا تھا کہ یہ اس لڑکے کے عزیز ہیں جس کے متعلق یہ سنا تھا کہ اس کا پیام رفعت سے جانے والا ہے) کھڑا ہوگیا مصافحہ کیا اور کہا آپ تو میرے خاص بزرگ ہیں۔ آپ نے بڑا کرم کیا۔ جو قدم رنجہ فرمایا۔

نووارد۔ بھئی ادھر سے گذر رہا تھا سوچا کہ مرتی مٹی کی نشانی کو بھی دیکھتا چلوں۔

یہ ڈر تھا کہ تم پہچانو گے بھی یا نہیں لیکن تمہاری لائق مندی سے جی خوش ہو گیا۔
شوکت۔ آپ بزرگ ہیں ہیں آپ کا تابعدار ہوں۔
نووارد۔ کہو فرخ مرزا کیسے ہیں؟ اُن سے تو ملتے رہتے ہو گے؟
شوکت۔ جی کیا عرض کروں وہ مجھ سے خفا ہیں۔
نووارد۔ کیوں؟
شوکت۔ کچھ خانگی امور ہیں۔ آپ میرے والد کی جگہ ہیں آپ سے کیا چھپانے کی بات ہے۔ ان کا اصرار تھا کہ میں ان کی پوتی سے شادی کروں لیکن
نووارد۔ بات کاٹ کر بھئی اس سے اچھی کیا بات تھی۔
شوکت۔ بہرحال یہ میری بدقسمتی کہ میں نے انکار کر دیا۔ وہ دن اور آج کا دن میری صورت نہیں دیکھی۔
نووارد۔ بھئی آخر تم نے انکار کیوں کر دیا۔ اس لڑکی کی تو بڑی تعریف سنی ہے۔
۔بندہ نواز "دور کے ڈھول سہانے" ہوتے ہیں۔ آپ سے کیا کہوں "اپنی ٹانگ کھولے اور آپ ہی لاجوں مرے" ہمارے ہاں شکل صورت تو بہو بیٹیوں کی دیکھی نہیں جاتی۔ اس کے پھینگے پن کو برداشت کر لیتا لیکن خدا کے واسطے آپ ہی بتائیے کہ یہ کیسے برداشت ہو کہ دیوار پر بال کھولے ہوئے لٹکی ہوئی ہیں اور سامنے کے کوٹھے پر جو کالج کے طالب علم رہتے ہیں۔ اُن سے اشارہ بازیاں ہو رہی ہیں۔ کان گنہ گار ہیں۔ سنا تو یہ بھی ہے کہ ایک دن ان کی دادی نے محی الدین کا خط اس کے نام، پکڑ لیا۔ اور اس دن سے بہت تاش تنبیہ ہو گئی ہے۔ بھلا آپ ہی بتائیے کہ ایسی حالت میں میں کیا کرتا۔
نووارد ہکا بکا تھے اور خاموش دانتوں میں انگلی دبی ہوئی۔ اسی وقت وہ یہ بالکل بھول گئے تھے کہ وہ تصویر کا جو رخ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ ایک

دشمن کی طرف سے ہے۔

تھوڑی دیر سکوت طاری رہا۔ شوکت نے آنکھوں پر رومال رکھ لیا۔ اس سکوت کو نووارد نے توڑا کہ بہتر میں جاتا ہوں پھر کبھی آؤں گا۔

شوکت کھڑا ہو گیا، قدم پکڑ لئے اور کہا کہ خدا کے لئے آپ یہ ذکر کسی سے نہ کیجئے گا۔

نووارد یہ کہہ کر کہ بہتر تمہاری عزت اور میری عزت ایک ہی ہے رخصت ہو گئے اور شوکت نے نہایت فاتحانہ انداز سے انگڑائی لے کر حقہ کا کش لیا۔ اور شراب کا ایک پیگ طلب کیا۔

(۵)

شوکت اس وقت فاتحانہ انداز سے بیٹھا ہوا ہے۔ ایک تو فتح کا نشہ دوسرے شراب، اب وہ بالکل دو آتشہ ہے۔ وہ اس زعم میں ہے کہ اس نے ایک بڑا پالا مار لیا لیکن اس کو نہیں معلوم کہ اس نے اس بہتان اور صریح بہتان سے اپنے نامہ اعمال میں ایک ایسا سنگین جرم لکھوایا ہے جو سات سمندروں کے پانی سے بھی نہ دھلے گا۔ آج اس نے رفعت کا صرف ایک قابل بر ہی نہیں کھو دیا۔ بلکہ رفعت کی آئندہ زندگی میں جو انقلاب اس نے برپا کیا ہے۔ اس کا شوکت اور صرف شوکت ذمہ دار ہے جس وقت شوکت کے منہ سے رفعت کی عصمت کے متعلق الفاظ نکلے تھے اس وقت شوکت صرف یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھوں سننے والے کے کلیجہ پر تیر ٹھیک بیٹھتا ہے یا نہیں لیکن عرش ہل رہا تھا۔ اور فرشتے تھرا رہے تھے۔ قدرت ہنس رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ شوکت شیطان شوکت تو ایک لڑکی کی زندگی کے تباہ کرنے کا شیطان کے ہاتھ میں ایک آلہ بن سکتا ہے۔ لیکن تیرے پاس نہ تیرے شیطان نفس کے پاس کوئی ایسی چیز ہے۔ جسے تو قدرت کے انتقام کے مقابلہ میں اپنے

لئے سپر بنا سکے۔

تو نے اس معصوم رفعت کو بدصورت بنا دیا جس کو دیکھ کر آج عورتیں عش عش کرتی ہیں۔ تو نے اس عورت کی عصمت پر حرف رکھا جس کا دماغ گناہ کے خیال تک سے پاک ہے۔ پانچوں وقت کی نمازی۔ وہی دبائی شرمیلی معصوم لڑکی پر یہ الزام کہ وہ غیر مردوں سے خط و کتابت کرتی ہے۔ اور آنکھیں لڑاتی ہے کاش کہ اس وقت زمین شق ہو جاتی اور تو اس میں سما جاتا۔

رفعت کی زندگی کی تباہی میں پہلا اور زبردست ہاتھ تیرا ہے اس کے بعد ان حضرت کی گردن پر اس کا بار ہے۔ جو یہ جان کر تیرے پاس آئے کہ تو فرخ مرزا کے خاندان کا دشمن ہے اور بڑا قصور ہماری اس معاشرت کا جس میں مراسم مذہب معقولیت اور اخلاق پر حاوی ہیں۔ تو کہتا ہے کہ رفعت بدصورت ہے لیکن کیا تیری یہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ ڈھے جاتی اگر مراسم اور بیجا شرم کے پابند جاہل گنواری لڑکیوں کو عورتوں تک سے چھپانے کو ترک کر سکتے کیا تیرا جال قائم رہ سکتا تھا۔ اگر لڑکے کے بڑے ابا اس الزام کی تحقیقات کرتے جو تو نے رفعت پر لگایا تھا۔

قیصر جیسے اچھے خاصے شریف تعلیم یافتہ اور نیک لڑکے سے رفعت کی شادی ہوتی تو ان کی زندگی میں چار چاند لگ جاتے اور یہ مشترکہ زندگی نہایت خوش اسلوبی سے گذرتی لیکن برا ہو ہماری معاشرت کا۔ خدا نیکی دے ہمارے بھولے بھالے بزرگوں کو جو فریب دینے والوں کے فریب میں آجاتے ہیں۔ اور ایک طرفہ بیان پر فیصلہ دے دیتے ہیں۔ جس کی بدولت سینکڑوں گھروں میں شادی خانہ آبادی نہیں ہوتی۔ بلکہ خانہ بربادی کا مصداق ہوتی ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ چاہے اسے کتنے ہی پردوں میں چھپایا جائے کہ لڑکے والوں سے زیادہ اور بہت زیادہ شادی کی تلاتوپ لڑکی والوں کو ہوتی ہے۔ عیدو بچاری جو قیصر اور رغنت کی نسبت کے معاملہ میں پڑی تھی۔ اس کا دونوں طرف انتظار ہوتا تھا۔ لڑکے والے یہ معلوم کرنے کے مشتاق کہ لڑکی والوں کا رنگ کیا ہے۔ لڑکے والے لڑکی والوں کے ہاں کی سن گن لینے کے لئے بے تاب۔ آج فرخ مرزا کے ہاں عیدو کا غیر معمولی انتظار ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ آج وہ رقعہ لانے کا وعدہ کر گئی تھی۔ صبح سے شام ہوگئی۔ اور عیدو نہ آئی۔ دوسرا دن بھی صاف گزر گیا۔ آدمی کو اس کے گھر بھیجا وہ اسے بلا کر لایا۔

حسن زمانی نے آتے ہی عیدو سے شکایت کی کہ تو بھی خوب آدمی ہے کہ ہم تیری راہ دیکھ رہے ہیں۔ اور لوگوں کو جواب نہیں دیتے۔ اور تو نے چپ سادھ لی۔ ہماری لڑکی کو لڑکے بہت ہیں۔ لیکن یہ شریفوں میں نہیں ہوتا۔ کہ ایک سے ساعی اور ایک سے بندھائی۔

عیدو۔ بیوی میں کیا کہوں مجھ پر تو اپنی بیتا پڑ گئی۔ خدا معلوم لڑکے کے بڑے ابا سے شوکت مرزا نے کیا کہہ دیا کہ شادی کا جوڑ ملنا تو ایک طرف مجھے تو اپنی عزت کے لالے پڑ گئے۔ جب میں گئی تو جو کچھ نہ کہنا تھا۔ مجھے وہ سب کچھ کہہ ڈالا۔ اللہ رکھے بیس برس سے میں اس گھر کی آنے جانے والی۔ ایک نہیں کئی شادیاں میں نے کرائیں۔ لیکن کبھی یہ نہیں ہوا جو اب کے ہوا۔

حسن زمانی۔ کچھ کہو بھی کیا بات ہوئی۔

عیدو۔ بیوی میں کیا کہوں۔ بس یہ سن لو کہ وہاں کا خیال اب نہ کرو۔ اور میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کیسی نیک بچی پر شوکت میاں نے تہمت لگا دی۔ یہ کہکر عیدو رونے لگی۔

حسن زمانی کا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ تہمت کا لفظ سنتے ہی ان کو سناٹا سا آگیا۔ لیکن اس صابرہ اور شاکر بندی نے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا کہ اگر دھیلن والے کچھ ایسی ویسی کہتے تو تعجب نہ ہوتا۔ لیکن اس نالائق نے تو حد کر دی۔

رفعت کی ماں نے عیدو کو الگ بلا کر اس سے بہ اصرار تمام رتی رتی حال پوچھا۔ جب اس نے یہ بتایا کہ شوکت میاں نے یہ کہا کہ ساشنے کوٹھے پر جو لڑکے رہتے ہیں۔ ان سے آنکھ لگی ہوئی ہے تو وہ آپے سے باہر ہو گئیں۔ اور انہوں نے شوکت کو کوسنے دینے شروع کئے۔

الٰہی شوکت جیسا تو نے میری بچی پر الزام لگایا ہے تیرے دیدے گھٹنوں کے آگے آئے۔ الٰہی تیری زبان میں کیڑے پڑیں۔ جو کچھ تو نے کیا ہے تیری آئی اولاد کے آگے آئے۔ غرضکہ گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ اور جس کے منہ میں جو کچھ آیا شوکت کو کہا۔ لیکن حسن زمانی بیگم کے صبر کے ہم تو قائل ہیں۔ برابر سب کو روکتی ہیں۔ اور یہ کہا کہ کوسنے پیٹنے سے کیا ہوتا ہے۔ صبر کرو۔ خدا بڑا کارساز ہے اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

اتفاق سے اسی وقت فرخ مرزا بھی آگئے۔ انہوں نے جب سارا ماجرا سنا تو وہ بھی آپے سے باہر ہوگئے۔ اسی وقت شوکت کے پاس گئے اور جو جو کچھ منہ میں آیا کہا اور یہ اعلان ہوگیا کہ کنبہ میں جو شخص شوکت سے ملے گا اس سے میں نہیں ملنے کا۔

شوکت کو اپنے کئے کی ابتدائی سزا تو یہ ملی کہ انہیں بائی کاٹ کر دیا گیا۔ لیکن جب ہم رفعت کی اس حالت کا اندازہ کرتے ہیں جو اس واقعہ کے علم کے بعد اس کی ہوئی تو ہم تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ شوکت کی شدید ترین سزا بھی اس کی تلافی

نہیں کر سکتی۔ ایک پھول تھا جو آج کے بعد کملا گیا۔ ایک چاند تھا جو آج بدلی میں آگیا۔ ایک روشنی تھی جو مدھم پڑ گئی۔

رفعت روئی اور اس قدر روئی کہ دیکھنے والوں کے دل لرز گئے۔ تسلی دینے والے تسلی دیتے ہیں۔ لیکن اس کی آنکھ سے آنسو نہیں تھمتے۔ روتے روتے شام ہوگئی۔ رات کا کھانا گھر بھر میں کسی نے پیٹ بھر کے نہیں کھایا لیکن رفعت کے منہ میں تو ایک نوالہ بھی نہ چلا۔ لیٹی تو نیند نہ آئی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے آدھی رات ہوگئی۔ اٹھی وضو کیا۔ اور عین اس وقت جب کہ سوئے سنسار جاگے پاک پروردگار اس نے خدا کی جناب میں دعا مانگی کہ اے رب العالمین تو وہ سب کچھ دیکھتا ہے جو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ تو ہر بھید سے واقف ہے اور ہر حال سے آگاہ ہے۔ اگر تیرے نزدیک میرے دل میں ذرا سا بھی کھوٹ ہے تو تو آگاہ ہے۔ تو بجلی گرا اور مجھے فنا کردے۔ ورنہ تو اس شخص کو اس کی سزا دے۔ جس نے مجھ پر طوفان اٹھایا ہے

(۷)

فرخ مرزا شوکت پر خفا ہو کر واپس آگئے تو اس وقت بھی شوکت پشیمان نہ تھا بلکہ فرخ مرزا کو ذلیل کرنے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ تاہم اس حادثہ سے کہ میرے چار دوستوں کے آگے فرخ مرزا نے کیا کچھ کہا۔ اس سے پریشان تھا کسلمندی کو دور کرنے کے لئے شراب کا دور چلنے لگا۔ اور یار دوست ادھر اُدھر کی بات چیت کرنے لگے۔

کھانا کھایا گیا۔ اور پھر طبیعت کا تکدر دور کرنے کے لئے چاوڑی کا قصد ہوا۔ ایک کھوٹے والی کے ہاں جاکر بیٹھے۔ گانا ہونے لگا۔ شوکت صاحب اس محفلے با لطبع ہو کر باتیں کر رہے تھے کہ ایک پشاوری زرق برق لباس پہنے ہوئے کوٹھے پر وارد ہوئے۔ رنڈی کا گھر اس کا جو روپیہ زیادہ خرچ کرے

بیل پہ بیل پڑنے لگی۔ اور خاں صاحب نے شوکت سے بازی جیت لی۔ اب کو ٹھے والی کی توجہ خاں صاحب کی طرف زیادہ ہوئی۔ شوکت شراب کے نشے میں مست تھے اپنی طرف سے بے رخی پر چڑ بڑ ہو رہے تھے۔ کہ اسی وقت اس نے ایک غزل ختم کی اور خانصاحب کی طرف بیٹھنے کے لئے جانے لگی۔ تو شوکت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ یہ حرکت کو ٹھے والی سے زیادہ خاں صاحب کو ناگوار ہوئی خاں صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک تھپڑ میاں شوکت کے اس زور سے رسید کیا کہ میاں کو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ آپ نے ریوالور نکالا اور خاں صاحب پر کئی فیر کئے مگر سب خالی گئے اور ریوالور خاں صاحب نے چھین لیا۔ اس دھینگا مشتی میں کوئی پندرہ منٹ لگے ہونگے کہ پولیس آگئی۔

یہ عین اس وقت کا واقعہ ہے جس وقت رفعت اپنے خدا کی جناب میں گڑگڑا رہی تھی۔

پولیس کو دیکھتے ہی شوکت کا نشہ ہرن ہو گیا۔ ہتھکڑی پڑ گئی۔ اور کوتوالی لے گئے۔ قتل کا مقدمہ قائم ہوا۔ جب فرخ مرزا کو اس کی خبر ہوئی اور لوگوں نے کہا کہ پیروی کرو تو وہ صاف انکاری ہو گئے۔ لیکن واہ ری حسن زمانی اس نے خاوند کو بلا کر نہایت منت سماجت سے اس پر راضی کیا کہ اس کے مقدمہ کی پیروی کریں۔ چنانچہ لوگ انہی کی پیروی کا نتیجہ سمجھتے ہیں کہ شوکت کالے پانی سے بچ گیا۔ اور سات سال کی قید بامشقت ہوئی۔

آج شوکت وہ شوکت جس نے رفعت زمانی پر بے بنیاد الزام قائم کئے تھے کئی سال سے چکیاں پیس رہا ہے۔ اب کبھی کبھی اس کے دل میں خیال آجاتا ہے کہ میں یہ سب سزا اس جرم کی پاداش میں پا رہا ہوں۔ جو میں نے رفعت کے ساتھ کیا۔ میں نے رفعت کے عشق کا مدعی ہو کر وہ کیا جو اسکا دشمن بھی نہ کرتا۔

اس میں شک نہیں کہ محمد حسین نہایت ذکی۔ ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوان تھا۔ اس کے ساتھ ہی اصلاح تمدن کا شیدا۔ یہ تو کون نہیں چاہتا کہ مجھے بیوی خوبصورت ملے تو اگر محمد حسین کو ایسی خواہش تھی تو کچھ بیجا نہ تھی کئی جگہ سے اس کی شادی کی سلسلہ جنبانی ہوئی۔ لیکن اس نے ہر جگہ صاف کہہ دیا کہ جب تک میری بہن لڑکی کو خود اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لیں گی۔ اسوقت تک میں شادی نہیں کرنے کا۔ اتفاق کی بات اس کی بہن کو یہ اطلاع ملی کہ رفعت بہت حسین سلیقہ مند اور نیک لڑکی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسے اس شہرت کا بھی علم ہوا۔ جو شوکت کی بدولت اسے حاصل ہو گئی تھی۔ پہلے ان دونوں بہن بھائیوں نے تحقیقات کی۔ اور معلوم ہوا کہ سب الزامات غلط ہیں اس کے بعد یہ چاہا کہ بہن لڑکی کو دیکھ لے۔ لیکن اس کا جواب بالکل صاف تھا۔ کہ "ہماری لڑکی نخاس کا گھوڑا نہیں ہے۔"

سمجھدار آدمیوں نے سمجھایا کہ اس میں کوئی ہرج نہیں۔ لیکن فرخ مرزا اور سب گھر والوں میں سے کوئی بھی نہ مانا۔ محمد حسین کی بہن نے چاہا کہ کسی بہانے سے دیکھ آئے۔ لیکن رفعت کو اس زنانہ میں ایک قید تھی جس میں وہ گرفتار جب باہر کے دروازہ کی کنڈی کھلی ہوئی ہے۔ تو لڑکی کوٹھری میں بند ہے جب لڑکی کسی ضرورت سے باہر آنا چاہتی ہے تو فوراً دروازہ کی کنڈی لگا دی جاتی ہے

خدا معلوم یہ ان ہوا عورتوں تک سے پردہ کہاں سے آیا ہے لیکن ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اس کی بدولت ایک نہیں بہت سے گھر تباہ ہوئے۔ اس کی بدولت دھوکہ دیکر ایسی لڑکیوں کی شادی کر دی گئی جو کسی طرح بھی خاوند کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتیں اور نہ صرف لڑکیوں کی زندگی تباہ کی گئی بلکہ ملک کے نوجوانوں کو بھی تباہی اور ذلالت کے غار میں دھکیلا گیا۔ اس رسم ہی کی بدولت بہت سی ایسی

لڑکیاں آج بھی کنواری بیٹھی ہوئی ہیں جن کی صورت شکل کا حال اور سلیقہ مندی کا جوہر اگر آج لوگوں کو معلوم ہو تو ہاتھوں ہاتھ لینے اور سر آنکھوں پر جگہ دینے کو تیار ہیں۔ عورتیں یہ سمجھتی ہوں گی کہ یہ رسم ان کے لئے مفید ہے لیکن یہ صرف ان لوگوں کے لئے تو مفید ہے جو انجام سے بے خبر ہو کر صرف لڑکی کی شادی ہی کر دینا اپنا فرض خیال کرتی ہیں لیکن جو عورتیں اس خیال کی قائل ہیں کہ "اب تو کر دو بعد میں سب ٹھیک ہو جاتی ہیں" ان کی آنکھوں کے سامنے دن رات ایسے واقعات آتے ہیں کہ صورت دیکھتے ہی حال کھلتے ہی میاں کو بیوی سے نفرت ہو گئی۔ بیاہ کے دن سے موت کے دن تک کبھی بیوی سے موانست نہیں ہوئی۔ ایسے لوگ دوسری شادیاں کرتے ہیں کوٹھے والیوں کے ہاں جانا شروع کرتے ہیں۔ ہمیشہ گھر تباہ۔ بیوی پریشان اور بچے برباد ہوتے ہیں۔ عام طور پر مردوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ کئی کئی شادیاں کرتے ہیں۔ مذہب اور اخلاق کے قیود کو توڑ کر کوٹھے والیوں کے ہاں جانا آنا شروع کرتے ہیں لیکن خدا جھوٹ نہ بلائے تو ایسے بیسیوں واقعات موجود ہیں جہاں گھر کی تباہی اور بربادی کی بسم اللہ اسی قسم کے مراسم کے ماتحت شادی ہونے سے ہوتی ہے۔

(۹)

رفعت کی ایک معقول بات شوکت نے غارت کی۔ دوسری بات اس جاہلانہ رسم نے غارت کی۔ اسی ہیر پھیر میں رفعت کی عمر خاصی اٹھارہ سال کی ہو گئی ماں باپ اور دادا دادی کو تلاوپ تھی تو کچھ بے جا نہ تھی۔ عموماً ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ شادی کی ابتدائی عمر میں تو اچھی سے اچھی بات پر ناک بھوں چڑھائی جاتی ہے۔ اور جب لڑکی عمر سے اترنے لگتی ہے تو بری سے بری بات کو غنیمت جانا جاتا ہے۔ چنانچہ اب ایک ایسے شخص کی بات آئی جو روپیہ پیسہ میں تو ان

لوگوں سے کسی طرح ہٹیا نہیں تھا لیکن مجہول النسب عیاش اور اوباش یہ نہیں کہ اس صفت سے لوگ آشنا نہیں تھے۔ تھے اور ضرور تھے لیکن یہ جان کر کہ اگر اب بھی لڑکی کی شادی نہیں ہوئی تو آپ جو اکا دکا پیام آجاتے ہیں ان کا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔ سب کو معلوم تھا کہ لڑکا اس حیثیت کا اور ان گنوں کا ہے سب اس سے بھی واقف تھے کہ لڑکے کی ماعورت نہیں قیامت ہے۔ ایک چھوڑ دو بہوؤں کو جلا جلا کر پار اتار چکی ہے لیکن مرتا کیا نہ کرتا ہمارے کلیجہ پر چوٹ لگتی ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رفعت جیسی نیک پارسا۔ رفعت جیسی حسین و جمیل لڑکی ایک ایسے شخص کو بیاہی جا رہی ہے جس میں نسب سے لیکر صورت شکل تک کوئی خوبی نہیں۔ رفعت تو دیکھتی ہے کہ جہیز میں جو کچھ باقی ہے وہ مار مار کر سِل رہا ہے۔ گھر میں ایک جیل ہیں جو رفعت اور ہمارے ساتھ روکہ تیرے رشتۂ حیات کو ایک ایسے شخص کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے جس کی قربت تیرے جلے دل ہوئے دل پر نمک پاشی کرے گی جس کا تعلق تیرے لئے ملک الموت کے تعلق سے کچھ کم نہ ہوگا۔ آج جو لوگ خوشی خوشی تیرا سہرا دیکھنا چاہتے ہیں صرف سہرے کے وقت کی خوشی ہی پر چاہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سہرے کے پھول خشک ہو جائیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ہی چند گھڑیوں ہی اپنے رنگ روپ کا ماتم کرنے لگے گی۔ لیکن ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ وہ اس کو بھولے ہوئے ہیں کہ سہاگ کی چند گھڑیوں کے بعد ان کو رونا پڑےگا۔ کہ رفعت کس موذی کے پھندے میں ہے۔

ہمیں اس کی مجبوری کا علم ہے۔ اور ہم بھی قضا و قدر سے مجبور ہیں۔ خیر تجھ کو یہی نصیحت کرتے ہیں۔ شوکت نے تیرے ساتھ جو کچھ سلوک کیا۔ اس کی سزا اسے ملے گی۔ بزرگوں نے بے جا مراسم اور دنیا کی جھوٹی شرم کے خیال سے جو

کچھ کیا۔ اس کی ان کو یہ کم سزا نہیں ملے گی کہ تیرے آنسوؤں کے ساتھ ان کے بھی آنسو گریں گے۔ تیری ایک تکلیف پر ان کے بھی دل تکلیف اٹھائیں گے۔ تو انہیں معاف کر۔ اور اپنی آئندہ زندگی کی مصیبت جھیلنے کے لئے کمر ہمت باندھ کر آگے بڑھ۔ تو بے قصور تھی۔ شوکت نے تیری راہ میں روڑے اٹکائے۔ تو معصوم تھی۔ دنیوی مراسم اور بزرگوں نے تیری راہ میں کانٹے بوئے۔ ظاہر بین تجھے ایک مدت تکلیف میں دیکھیں گے لیکن یاد رکھ کہ اس ظاہری دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا ہے۔ ایک اور زمانہ ہے۔ ایک اور وقت ہے۔ وہ زمانہ اور وہ وقت اس سے زیادہ کڑا ہے۔ اس دن حاکم اور محکوم۔ ظالم اور مظلوم سب ایک دربار میں کھڑے ہونگے۔ اور اس دن کا فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ تیری تکالیف کا اسی وقت معاوضہ ملے گا۔ یقین رکھ کہ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دنیا میں نیکی اور سچائی کے لئے مصیبت اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت میں ان کے مرتبہ بلند ہیں۔

(۱۰)

پیر کو رفعت کی شادی ہونے والی تھی۔ رکھانے والے کا حساب کتاب ہو رہا تھا۔ مہمانوں کی فہرست بن رہی تھی کہ فرخ مرزا تشریف لائے۔ حساب کتاب لگا کر ان کو بتایا گیا کہ اس قدر روپیہ درکار ہے اس کے جواب میں انہوں نے کہا روپیہ منگوا دیا جائے گا۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ خاموشی کے ساتھ رشیدن کا نکاح سعید مرزا سے کر دیا جائے۔ میں اور میری گھر والی تو اس شرط پر شادی میں شریک ہونگی۔ یہ لفظ فرخ مرزا کی زبان سے نکلنے تھے کہ سب کو سناٹا آگیا۔ رفعت کے ماموں نے نہایت ادب سے کہا کہ اس کام کی اس قدر جلدی کیا ہے ہو جائیگا اس پر فرخ مرزا صاحب برافروختہ ہو گئے اور کہا کہ تم لوگ اس معاملہ میں ٹال

ٹال کر رہے ہو۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے اور ٹال سکوں۔

فرخ مرزا کا لہجہ بہ لحظہ سخت ہوتا جاتا تھا۔ آخر وہ اپنے لڑکے کی طرف مخاطب ہو کر بولے۔ میں جواب مانگتا ہوں جیسا کچھ بھی ہو جواب دو۔ احمد مرزا خاموش رہا۔ کئی دفعہ اصرار کے باوجود بھی اس نے جواب نہ دیا۔ اس پر فرخ مرزا یہ کہکر اُٹھ کھڑے ہوئے کہ تمہیں یہ منظور نہیں۔ میں باپ ہوں۔ میری ایک خوشی پر بھی تم کو تامل ہے تو آج سے میرا اور تمہارا تعلق قطع ہو گیا۔ اب نہ میں تمہارے مرنے کا نہ جینے کا۔ اور نہ میری موت زندگی سے تمہیں کوئی واسطہ اپنی لڑکی کی شادی کا انتظام خود کر لو۔

یہ تقریر سن کر احمد مرزا کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ روپیہ اس کے پاس نہیں اور کوئی اساسہ موجود نہیں۔ شادی سر پر اور وہ بھی لڑکی کی۔ سوچتا تھا کہ کیا کروں۔ لیکن کوئی تدبیر بن نہ آتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ ایک طرف کنواں ہے تو ایک طرف کھائی۔ ایک طرف ہمیشہ کے لئے اپنے خاندان کو خراب کرنا ہے۔ دوسری طرف ہمیشہ کے لئے عسرت اور پریشان حالی کی زندگی بسر کرنا۔ باپ کی جائداد اور مال سے محروم ہونا۔ لیکن واہ رے احمد مرزا کہ اس نے کلیجہ پہ پتھر رکھکر دوسری صورت قبول کر لی۔ اور خاندان کو بٹہ لگنے نہ دیا۔ قرض دام کر کے کچھ بیچ کھوچ کر لڑکی کو رخصت کیا۔

فرخ مرزا نکاح میں شریک نہیں ہوئے اور ہر مہمان کو یہ معلوم ہو گیا کہ فرخ مرزا کے نکاح میں شریک نہ ہونے کی وجہ کیا تھی۔ اب تک فرخ مرزا حسن زمانی کے گھر آتے رہتے تھے۔ لیکن آج سے ایسی بیگانگی پیدا ہو گئی کہ جیسے کبھی کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ اس بے تعلقی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس گھر میں خاک اڑنے لگی۔ روپیہ کا کام روپیہ ہی سے چلتا ہے کئی کئی بچے۔ بھرا پورا گھر آمدنی کا نام نہیں خرچ

کتنا ہی کم کیا جائے۔ لیکن جب آمدنی نہ ہو تو وہ بہت ہوتا ہے۔ اس پریشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمد مرزا کو حرارت رہنے لگی۔ ایک طرف تو پریشانی دوسری طرف علالت پھر بھی احمد مرزا نے بہت کچھ ہاتھ پیر مارے۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ گھر کے خرچ چلنے کی اب صورت یہ تھی کہ احمد مرزا کا بڑا لڑکا ایک دفعہ گھر سے لڑ کر بمبئی چلا گیا تھا اور ایک دوکان پر ملازم ہو گیا تھا۔ اور اب ایک معمولی فرم میں حصہ دار تھا۔ پچاس روپیہ ماہوار تو وہ بھیجتا تھا۔ اور باقی کچھ زیور وغیرہ کی فروخت کمی کو پورا کرتی تھی۔ یہ سب باتیں ایسی نہ تھیں جو احمد مرزا کو پنپنے دیتیں۔

حرارت رفتہ رفتہ تپ دق میں منتقل ہوگئی۔ لوگ فرخ مرزا سے کہتے سنتے تھے لیکن اس نے لڑکے کی طرف رُخ بھی نہیں کیا حتیٰ کہ احمد مرزا کی بیماری بڑھ گئی۔ اور دق کا دوسرا درجہ ہو گیا۔ ایک روز مرزا صاحب گاڑی میں سوار جارہے تھے کہ ایک مریض کی ڈولی برابر سے گذری۔ ایک جوان آدمی جو صرف ہڈیوں کا پنجر تھا ڈولی میں تھا۔ ڈولی کے چاروں طرف ایک کپڑا بندھا ہوا تھا۔ تاکہ مریض گر نہ پڑے۔ اس ڈولی کے ساتھ سعید مرزا فرخ مرزا کا پوتا تھا پوتے کو پہچان کر مرزا صاحب نے ڈولی پر ایک غائر نظر ڈالی اور احمد مرزا کا یہ حال دیکھ کر سناٹے میں آ گئے۔ شفقت پدری جوش میں آئی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ ڈولی رکوائی۔ گاڑی سے اترے اور ڈولی کو لے کر واپس گھر گئے گھر میں پہنچے تو اس کا عجیب حال تھا۔ عسرت اور غریبی برس رہی تھی۔ بیوی بہو اور پوتیوں کو دیکھا تو میلے کچیلے پیوند کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔

بہرحال سہارا دیکر احمد مرزا کو پلنگ پر لٹا یا۔ اور اسی وقت سعید سے کہا کہ سول سرجن کو لاؤ۔ مرزا صاحب لڑکے کے پلنگ کے برابر کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ سول سرجن آیا۔ اس نے دیکھا نسخہ لکھا اور کہا کہ اگر آپ ان کی زندگی چاہتے

ہیں۔ تو انہیں پہاڑ پر لے جایئے۔

اب فرخ مرزا کی نگاہوں کے سامنے صرف یہ تھا کہ بچے کی جان بچ جائے۔ فوراً پہاڑ جانے کے انتظامات ہونے لگے۔ سیکنڈ کلاس کا ایک کمپارٹمنٹ ریزرو کیا گیا۔ اور دوسرے دن شام کو پانچ بجے کی گاڑی سے فرخ مرزا۔ احمد مرزا۔ حسن زمانی۔ احمد مرزا کی دلہن رشید بھوالی روانہ ہوگئے۔ فرخ مرزا نے اپنی دوسری بیوی کو کہلا بھیجا تھا کہ میں کل شام کو لڑکے کے ساتھ پہاڑ پر جاؤنگا سب انتظام کر دینا۔ اس کے بعد وہ وہاں چلتے وقت کھڑے کھڑے گھر گئے۔ اور اس کا موقعہ ہی نہ دیا کہ وہ کچھ بات کر سکیں۔ اس گھر میں اول تو مرزا صاحب کے اس گھر پر چلے جانے ہی پر چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ پھر لڑکے کے ساتھ جانے اور خرچ کے لئے ہزار روپیہ منگوانے پر تو چھوٹی بیگم بہت ہی بہ جبیں ہوئیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک جہاندیدہ عورت تھی۔ جب مرزا صاحب چلتے وقت ملنے کے لئے آئے تو اس نے اپنی ناراضگی کا اظہار تو ایک طرف۔ کہا تو یہ کہا کہ تم نے بڑا اچھا کیا کہ وہاں چلے گئے۔ اور اسے پہاڑ پر لے جا رہے ہو۔ خدا اسے صحت دے۔ اگر وہاں کچھ زیادہ دنوں رہنا ہو تو میں بھی آجاؤں گی۔ اگر ممکن ہو تو مجھے اجازت دیدو۔ ایک نظر میں بھی بچے کو جا کر دیکھ آؤں۔ جو حالت تم بتاتے ہو اس کو سنکر تو کلیجہ کٹا جاتا ہے۔

فرخ مرزا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ انہیں تسلی دلاسا دینے کے بعد ڈولی منگوائی گئی۔ اور فرخ مرزا کے ساتھ دونوں ماں بیٹیاں حسن زمانی کے گھر پر جا اتریں۔ سب لوگ ان کے آنے سے حیرت میں رہ گئے۔ بعض غصہ میں لال ہوگئے۔ اس لئے کہ جانتے تھے کہ یہ سب انہیں کا بویا ہوا ہے لیکن کسی نے منہ سے اف تک نہیں کی۔

ان دونوں ماں بیٹیوں نے ڈولی سے اتر کر احمد مرزا کے پلنگ کے پاس جاتے ہی اس طرح رونا پیٹنا شروع کیا کہ محلہ کو سر پر اٹھا لیا۔ پڑوسنیں تو یہ سمجھ کر کہ احمد مرزا کا انتقال ہو گیا۔ دیواروں پر چڑھ آئیں۔ لیکن یہ ماں بہنوں سے زیادہ چاہنے والیاں جس طرح روئیں اس نے مریض کی حالت کو دگرگوں کر دیا۔ اور غشی طاری ہو گئی۔ کیونکہ ہر بات اور ہر فقرہ سے اسے یہ یقین دلایا جاتا تھا کہ تیری موت یقینی ہے۔

تھوڑی دیر میں رونا دھونا ختم ہوا۔ مریض کو بھی ہوش آیا لیکن "رفیقوں" کا یہ وار ایسا کاری ہوا کہ صرف آج پہلا دن تھا جب کہ احمد مرزا کو یقین ہو گیا کہ میری موت یقینی ہے۔ دق کے مریض کو اگر اپنی موت کا یقین ہو جائے۔ تو اسے خدا بچا دے تو بچا دے۔ دوا دارو تو کوئی اثر نہیں کر سکتی۔ بہرحال کچھ دیر سکون کے بعد بھوالی جانے والی پارٹی روانہ ہوئی۔

(۱۱)

رخصت وداع ہو کر سسرال پہونچی۔ صدر دالان میں بٹھائی گئی۔ مہمان جمع ہیں۔ جہیز اتر رہا ہے کہ اتنے میں کسی عورت نے اس کی ساس سے کہا مبارک ہو۔ ماشاء اللہ بہو صورت شکل میں بہت اچھی ہے۔ اور دان دہیز (جہیز) بھی اچھا لائی ہے۔ اس پر ساس صاحبہ نے نہایت تڑخ کر کہا۔ جی ہاں ماشاء اللہ چندے آفتاب چندے مہتاب۔ بہن بھلا ہمیں ایسی شکل صورت کی بہو کاہے کو جڑنے لگی تھی۔ ہمارے تو بھاگ کھل گئے۔ اگر خوبصورتی ایسی ہی ہوتی ہے تو سلام ہے ایسی خوبصورتی کو۔ بڑا آدمی کا بچہ ہے۔ اور تم اس کی تعریف نہ کرو گی تو کون کرے گا۔ اس کی ماں تمہاری تو سہیلی ہیں۔ دان دہیز کی یہ ہے کہ ماشاء اللہ بڑی ماہو کی شادی میں تو تم تھیں۔ آج انہیں بیاہے ہوئے دس برس ہو گئے لیکن

اب بھی اگر ان کی سب چیزیں نکال کر دیکھو تو خدا چاہے تو دُگنی نکلیں گی۔ حالانکہ سلیقہ مند وہ بھی اول درجہ کی ہیں۔ بہن دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ "خوان بڑا خوان پوش بڑا۔ کھول کے دیکھو تو ادھ بیڑا" یہ شور تھا کہ لکھ پتی ہیں۔ بڑی عزت آبرو والے ہیں۔ یہ دیں گے وہ دیں گے۔ جو کچھ دیا وہ سب کے سامنے ہے۔ نام کو گہنا پہرا اتہرا ہے۔ لیکن تولے دو تولے ہیں جب بالیاں پتے اور چوہے دنتیاں بن سکتی ہیں تو اس حساب سے غریب سے غریب بھی دس دس گہنے دے سکتا ہے ساس صاحبہ کی یہ گفتگو سن کر رفعت سہم سی گئی۔ اور اسے یہ معلوم ہو گیا کہ میری آئندہ زندگی کیونکر گذرنے والی ہے۔ لیکن رفعت کے سوا بہت سی عورتوں نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔ اور جن بیوی نے رفعت کی تعریف کی تھی وہ تو دم ہی ہو گئیں۔

رفعت شوکت کے وار کی بدولت مردہ ہو چکی تھی۔ اب اسے معلوم ہو گیا کہ وہ گور کے بہت قریب پہونچ گئی ہے۔ اس پر بھی اسنے عہد کیا کہ میں اپنی اطاعت اور ہمدردی سے انشاء اللہ ساس کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔ اپنی آئندہ زندگی میں رفعت نے نہایت خلوص سے یہ کوشش کی لیکن یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہ تھی۔

ساس کی وہ بالکل لونڈی بن گئی۔ دیوروں اور نندوں کی خدمتگار خاوند کی غلام۔ لیکن اس سب کا نتیجہ کچھ بھی نکلا۔ خاوند صاحب پہلے ہی دن سے بددل تھے کہ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سلامی میں ان کو جس قدر کثیر رقم کے حاصل کرنے کی توقع تھی وہ رفعت کے دادا کی علیحدگی کی وجہ سے کم ملی۔ اس بددلی کو نہ بیوی کی وفاشعاری دور کر سکتی تھی اور نہ اس کی خدمت اسے دور کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی جس کا اب رفعت کے میکے

میں کال تھا۔ چوتھی جاے سب کچھ ہوتے لیکن دولہامیاں کی شان سے گرے ہوتے۔
اس لئے ان کو بیوی سے بیگانہ کر دیا۔ غرضکہ ایک چھ ماہ کے عرصہ میں بیوی کا سہاگ
برائے نام سہاگ رہ گیا۔ خاوند سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ سسرال والے سب بات پر رفعت
طعنہ تشنہ دیتے ہیں۔ اور ایک دن جب ایک نند نے کسی بات پر یہ کہا کہ " آخر
زرد وزن کی تو لونڈیا ہے۔ اس میں شرافت کہاں رکھی ہے" تو رفعت کے دل میں
ایک آگ سی دہک گئی۔ شعلہ لگ گیا اور ایک ٹھنڈا سانس نکل گیا۔ زبان کو بہت
روکا لیکن اپنی عادت کے خلاف یہ کہہ بیٹھی کہ "سانچ کہا کر ذات نہیں پوچھا کرتے"
بات کچھ ایسی نہ تھی کہ نند چراغ پا ہو جائیں۔ لیکن انہوں نے رفعت کی سات
پیڑھی کو پن ڈالا۔ ساس نے بیٹی کی حمایت لی۔ اور ڈولی منگا کر رفعت کو میکے
بھجوا دیا۔ اپنے نزدیک انہوں نے یہ سوچا ہوگا کہ رفعت اسی طرح جل جل کر تمام
ہو جائے گی لیکن "با درچہ خیالیم فلک در چہ خیال" خدا اس کی مصیبت کے دن
ختم کر چکا تھا۔ اور اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہونے والا تھا۔ اس کے یہ
سب اسباب تھے۔

رفعت کو میکے آئے ہوئے ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ شہر میں بارش کی جھڑی
لگ گئی۔ بارش اور آندھی کئی روز تک رہی۔ اچھے اچھے مکانوں کی بنیادیں
ہل گئیں۔ رفعت کے خسر کا مکان تو پرانا تھا وہ اس قدر آندھی کو کیونکر برداشت
کرتا۔ ایک دن رات کو گر پڑا اور کئی آدمی مر کر رہ گئے۔ اس میں رفعت کا خاوند
اور ساس دونوں شامل تھیں۔ بڑی نند جو رفعت سے بہت سر رہا کرتی تھیں
ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اور ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو گئیں۔

رفعت کو رانڈ ہونے کا صدمہ تو ہوا مگر نہ اس قدر کہ جس قدر ایک محبت کرنے
والے خاوند کے مرنے سے ہوتا ہے۔ رفعت کے خسر نے لڑکے کے مرتے ہی رفعت

کا تمام سامان واپس کر دیا۔ اور عدت کے بعد رفعت کا نکاح اس کے خسر کی مرضی سے ایک معقول آدمی سے کر دیا گیا۔ اور اب وہ نہایت اچھی زندگی بسر کر رہی ہے ملنے والیوں میں وہ ممتاز ہے۔ خاوند کی نگاہوں میں اس کی وقعت ہے۔ اور سسرے تو ہیں نہیں ساس ان کو بہت عزیز رکھتی ہیں۔ اور نندوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بالکل بہنوں کا سا ہے۔

(۱۲)

بھوالی پر رہتے ہوئے احمد مرزا کو کئی ماہ ہو گئے کبھی حالت بہتر ہوتی ہے کبھی بدتر۔ فرخ مرزا نے روپیہ ٹھیکری کر دیا۔ لیکن اگر روپیہ خرچ کرنے سے امراء کی جانیں بچ جایا کرتیں تو غریب ہی صرف ملک الموت کا شکار ہوتے۔ آخر وہ گھڑی آگئی جو ہر شخص کے لئے آتی ہے۔ جو دنیا میں پیدا ہوا ہے۔ ہچکیاں آنے لگیں۔ بقول جناب عزمی دہلوی ؎

رک رک کے کہہ رہی ہیں دمِ نزع ہچکیاں
کس کس کو بھولنا ہے ذرا یاد تو کرو!

باپ۔ ماں۔ بیوی سب چارپائی کے گرد کھڑے ہوئے ہیں سب کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔ وہ کسی آنے والے واقعہ کے منتظر ہیں کہ اتنے میں ؎

ایک طرف کچھ دیکھ کر رونے لگے تیماردار
ایک طرف بیمارِ غم کچھ کہہ کر غافل ہو گیا

ماں چکرا کر گر پڑی۔ باپ بے ہوش ہو گیا۔ بیوی نے اپنی چوڑیاں توڑ ڈالیں غرضکہ کہرام مچ گیا۔ موت اور زندگی خدا کے ہاتھ ہے۔ لیکن اگر اسباب کا بھی کچھ دخل ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اس موت کی ایک وجہ وحیدالدین اور فرخ مرزا ضرور ہیں۔
آج احمد مرزا کی بیوی بیوہ ہو گئی۔ آج اس کے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہو گئے

آج باپ اور ماں کی آنکھوں کے سامنے ان کا نونہال دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کا حال اس ماں کے دل سے پوچھو جس نے اس وقت سے جب سے وحیدن کا دخل ہوا آرام کی زندگی کی جگہ امیدوں کا سہارا احمد مرزا تھا جس کا کھویا احمد مرزا تھا۔ آج دنیا سے رخصت ہو گیا۔

حسن زمانی کی حالت دیوانوں کی سی ہے۔ دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ فرخ مرزا وہ فرخ مرزا جو وحیدن کا غلام ہے اس کی اور اس کے بچوں کی پرورش نہیں کرے گا لیکن واقعہ یہ ہے کہ احمد مرزا کی موت فرخ مرزا کے لئے ایک تازیانہ ثابت ہوئی۔

حسن زمانی بدقسمت حسن زمانی کے اکلوتے لال کی لاش کو لوگ غسل دے رہے ہیں۔ اسے سفید جوڑا پہنایا جا رہا ہے۔ آج حسن زمانی کی نگاہوں کے سامنے بچے کی زندگی کا مرقع ہے۔ اس کی زندگی کے ہر ایک حصہ ہر ایک تصویر کی صورت میں آتا ہے جب اس کا خیال اپنے کفن پوش بیٹے کی شادی کی طرف جاتا ہے کہ وہ دولہا بنا ہوا گھوڑے پر سوار ہے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے دلہن کی پالکی ہے۔ جو آج نچی کھسٹی سوگوار کھڑی ہے تو اس کو اختلاج قلب کا دورہ ہوتا ہے، اور بے ہوش ہو جاتی ہے۔ اور احمد مرزا کا جنازہ گھر سے روانہ ہوتا ہے کسی شاعر نے اسی موقع کے لئے کہا ہے ؎

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش
گہہ تخت ہے اور گاہ جنازہ پہ سردوش
ایک حال دکھانہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو تو چھپر کھٹ میں ہے تابوت میں دن کو

(۱۳)

فرخ مرزا پر بیٹے کی موت کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ اس کے اہل و عیال کی خبر گیری اور خود حسن زمانی کی دلدہی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن ابھی تک اس کے دماغ میں یہ دھن موجود تھی کہ سعید کی شادی وحیدن کی نواسی کے ساتھ ہو جائے۔ ایک روز رات کو وہ اسی خیال میں کروٹیں بدلتا ہوا سو گیا۔ بہت دیر تک مختلف تدابیر حسن زمانی کو راضی کرنے کی سوچتا رہا جس میں یہ دھمکی بھی شامل تھی کہ خرچ بند کر دیا جائے گا۔ اس لئے رات کو اسے اسی قسم کے خواب دکھائی دیتے رہے۔ صبح کوئی چار بجے کا وقت تھا کہ اس نے خواب میں دیکھا کمرے کی دیوار شق ہو گئی۔ اور ایک کفن پوش آدمی جس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ اس دیوار میں سے کمرے میں داخل ہوا۔ فرخ مرزا ڈر گیا۔ لیکن اس کفن پوش شخص نے کہا۔

"میں احمد مرزا کی روح ہوں۔ آپ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا میں اسے معاف کرتا ہوں۔ موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ میں مرنے سے پہلے آپ سے معاف کراتا۔ اس لئے آپ میرے تمام قصوروں کو معاف کر دیجئے۔ مجھے اجازت نہیں کہ میں عالم بالا کے حالات آپ پر منکشف کروں لیکن میری روح لرزنے لگتی ہے۔ جب مجھے خیال ہوتا ہے کہ آپ میری ماں کے ساتھ زیادتی کرنے کے جرم میں پکڑے جائیں گے۔ اپنے مرے ہوئے بیٹے کی التجا قبول کیجئے۔ اور اس معصوم بدقسمت عورت سے اپنے قصور معاف کرائیے۔"

اتنا کہہ کر روح رخصت ہو گئی۔ اس کے رخصت ہوتے ہی فرخ مرزا کی آنکھ کھلی تو اس کے مکان کے دروازہ پر فقیر یہ صدا لگا رہا تھا۔

کانٹا کسی کے مت لگا گو مثلِ گُل پھولا ہے تو
وہ تیرے حق میں تیر ہے کس بات پر پھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو یہ گھاس کا پولا ہے تو
سُن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر پھولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

رات کے خواب اور فقیر کی اس صدا نے فرخ مرزا کے دل میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ زندگی کے جس فریب میں وہ گرفتار تھا۔ اس کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اُٹھا اور نماز پڑھی۔ اپنے تمام قصوروں کی معافی مانگی۔ حسن زمانی کے پاس گیا اور ان سے نہایت لجاجت کے ساتھ اپنی زیادتیوں کی معافی چاہی۔ جو کچھ اس وقت تک کیا تھا اس کی تلافی کے لئے وہ مکان جس میں وہ رہتی تھی ان کے نام لکھ دیا۔ اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اب میں نے سعید اور رشیدن کی شادی کا خیال فسخ کر دیا ہے۔ اب فرخ مرزا حسن زمانی کے ہاں رہتے ہیں۔ اور اسی طرح رہتے ہیں۔ جس طرح ان کو رہنا چاہیے۔ ایک معقول رقم وحیدن اور اس کے بچوں کے اخراجات کے لئے دی جاتی ہے۔ اور روز بھی فرخ مرزا ایک پھیرا روز وہاں کر آتے ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ٹھوکر کھا کر سنبھل جاتے ہیں۔

(۱۴)

یہ کیونکر ممکن تھا کہ فرخ مرزا کی زندگی کے اس تازہ انقلاب کو وحیدن ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتی۔ وہ اس بات کی عادی ہو چکی تھی کہ فرخ مرزا کو جس راستے پر وہ چاہے چلائے لیکن اب یہ ناممکن تھا

اب فرخ مرزا بھی بدل چکے تھے چنانچہ وہ یہ سمجھتی تھی کہ شاید فرخ مرزا کا یہ جوش سوڈا واٹر کے ابال کی طرح ختم ہو جائے جب اسے اس خیال میں ناکامی ہوئی تو اس نے پہلے فرخ مرزا کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے تعویذ گنڈے کیے لیکن جب ان کا بھی کچھ اثر نہ ہوا تو ایک دن فرخ مرزا سے اس نے صاف کہا کہ میں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ تمہاری نذر کیا مجھے کیا معلوم تھا کہ اس بڑھاپے میں مجھ پر یہ بپتا پڑے گی۔ اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تم میرے پاس رہو تو مجھ کو اجازت دیدو کہ میں جہاں میرے سینگ سمائیں چلی جاؤں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر روپیہ مطالبہ ہوتا آئندہ کے لئے اطمینان کی خواہش ہوتی تو فرخ مرزا اسے برداشت کر لیتے۔ لیکن "میں کہیں چلی جاؤں" کا لفظ ان کے دل پر تیر ہو کر لگا۔ وہ خفا ہوئے اور جو ان کے منہ میں آیا کہا۔ "سچ ہے رنڈی اور چھپکلی نکلے بغیر نہیں رہتی۔" کہنے لگے میں برسوں تمہارے ہاں رہا۔ لیکن کبھی حسن زمانی نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ میں نکل جاتی ہوں۔ آخر کہیں ہوا نکلنے کی ہوس اور کوٹھے پر بیٹھنے کا ارمان اب بھی باقی ہے۔

وحیدن نے کوری وحشت جاتی چاہی تھی۔ لیکن پاسا پلٹ گیا۔ لہجہ کو نرم کیا اور کہا کہ "اگر تم یہ چاہو کہ میں نکل جاؤں تو یہ تو ہو نہیں سکتا۔" جس عورت نے اپنی جوانی تمہاری نذر کر دی وہ اب بڑھاپے میں نکل کر کوٹھے پر بیٹھے گی۔" ہاں اگر تمہارا یہی حال رہا تو میں ماما گیری کروں گی اور پیٹ پالوں گی لیکن یہ بے عزتی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی کہ تم کئی کئی دن صورت نہ دکھاؤ اور کتوں کی طرح مجھے ٹکڑا ڈال دو۔ خدا سے ڈرو۔ کیا خدا اور رسول کا حکم یہی ہے کہ ایک بیوی کو اس طرح ڈال رکھا ہے۔

فرخ مرزا پر خدا اور رسول کے نام سے ایک لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ فرخ مرزا جو برسوں پہلی بیوی کے سینہ پر مونگ دلتے رہے اب خدا اور رسول سے ڈرنے لگے تھے۔ وعدہ کیا کہ ایک دن میں یہاں رہوں گا اور ایک دن وہاں۔ ایک وقت کھانا یہاں کھاؤں گا اور ایک وقت وہاں۔

اس فیصلہ پر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ وحیدن نے کئی وار کئے لیکن سب خالی گئے۔ اسی دوران میں شہر میں طاعون ہوا۔ اور خود اس کے گھر میں سے کئی مردہ نکل گئے۔ اس دن سے وحیدن نے توبہ کی کہ اب میں دوسروں کی برائی نہ کروں گی۔ چنانچہ نہیں کی۔ اور ایک نیک پابند مذہب عورت کی سی زندگی بسر کرنے لگی۔

کچھ ہی دنوں بعد اس نے فرخ مرزا سے خواہش کی کہ میں مکہ شریف میں جا کر رہنا چاہتی ہوں۔ مرزا صاحب نے اس کا انتظام کر دیا۔ جو جائداد اس کے حصہ میں آنے والی تھی وہ اس کے نام کر دی۔ اب وحیدن مکہ شریف میں ہے۔ دن رات نماز روزہ توبہ استغفار میں گزارتی ہے۔ اس کی جائداد کا پچاس روپیہ ماہوار کرایہ اسے برابر پہنچ جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کو اس خاندان پر فضل کرنا منظور تھا۔ اگر فرخ مرزا کی روش میں تبدیلی نہ ہوتی تو ایک طرف تو احمد مرزا کے بچے ویران پریشان ہو کر خدا معلوم کس حالت میں ہوتے۔ دوسری طرف قیامت کے روز زندگی کا فریب وحیدن اور مرزا صاحب دونوں کا منہ کالا کراتا۔ ان دونوں نے جو مظالم کئے وہ آج بھی زبان زد عام ہیں۔ لیکن خدا نے ان کو مظالم کو محسوس کرنے اور ان کی معافی مانگنے کی توفیق دی۔

خدا بڑا کارساز و کریم ہے۔ وہ سخت سے سخت گناہ گاروں کو معاف کر سکتا ہے۔ ان کے قصوروں کو بھی معاف کرے۔ اور حسن زمانی اور اس کی اولاد کے دل میں یہ ڈال دے کہ وہ بھی ان کی زیادتیوں کو معاف کر دیں۔ جن کے لئے آج وحیدن اور مرزا صاحب دونوں شرمندہ ہیں۔

تمام شد

۱۱۸۱۰

تصانیف عالیجناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی سیاح جاپان انگلستان

طوائف

کی

پُراسرار زندگی کے متعلق دلچسپ معلومات بہم پہنچانیوالے عجیب و غریب ناول

(۱) **سعیدہ** اسمیں ایک تعلیمیافتہ نوجوان مسلمان اور ایک پاتر کے جذبات دلی کا خاکہ کھینچا گیا ہے حسن عشق کے معاملات پر نہایت لطیف بحث کی گئی ہے اور انجام اخلاقی فلاح پر کیا گیا ہے ۸/

(۲) **سعادت** اسمیں دہلی کی ایک تعلیمیافتہ سلیقہ مند خوبصورت طوائف کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ناچ رنگ حسن عشق وصال و فراق ہر ایک کا دلچسپ نقشہ کھینچا گیا ہے عاشق و معشوق کی پرلطف خط وکتابت ہے، انجام کار دونوں کو راہ راست نصیب ہوتی ہے قیمت ۸/

(۳) **شاہد رعنا** - اس میں دہلی کی ایک ڈیرہ دار طوائف کی " خود نوشت سوانحعمری " ہے، ایک فرسٹ کلاس طوائف کی کمسنی سے لیکر بڑھاپے تک کی لائف نہایت سنجیدگی کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ دہلی کی ٹکسالی زبان میں کیرکٹروں کا سراپا کھینچا گیا ہے۔ اس ناول میں بہت سے قسم کے لوگوں کا بیان ہے۔ ہر طبقہ کی زبان ہر طبقہ کی معاشرت، اور ہر طبقہ کے مذاق کا مرقع ہے۔ زبان نہایت سلیس ہے عمدہ کاغذ نفیس چھپائی۔ قیمت عمر

(۴) **سزائے عیش** - شاہد رعنا کامیڈی ہے اور سزائے عیش قریب قریب ٹریجڈی کے ہے مگر انجام پر نظر کیجئے تو کامیڈی سے بھی بڑھ گیا ہے فلسفہ حسن عشق و تفریحات عامہ پر فلسفیانہ بحثیں کیگئی ہیں مگر دلچسپ پیرایہ اور عام فہم زبان میں۔ مزید برآں ایک دلچسپ نقشہ دیا گیا ہے جسمیں ایک شریف گھر اور ایک طوائف کے کوٹھے کا دن رات کا ٹائم ٹیبل درج ہے، بایں ہمہ متانت کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ قیمت دس آنے (۱۰/)

(۵) **انجامِ عیش** اس ناول میں پاکیزہ زندگی اور مروجہ بدکاری اور آوارگی کی زندگی کے مختلف
پہلو ایسی تحقیق و تدقیق کے ساتھ دکھلائے گئے ہیں کہ نوجوانوں کو اس سے بہتر سبق آموز کتاب [illegible]
ہے کیونکہ پبلک کو اب تک ان امور کو علمی اور سائنٹفک طور پر تحقیق کرنے کی طرف توجہ نہیں
جن کے معلوم کرنے سے نوجوانوں کی زندگیاں خطرات سے بچ سکتی ہیں اسی کے ساتھ ہماری سوسائٹی
معصیت کا جو جزوِ اعظم ہے (یعنی طوائف) اس کے مدارج ترقی اور تنزل کے نتائج نہایت
قدرتی طور پر ظاہر کئے گئے ہیں تاکہ وہ فرقہ بھی عبرت حاصل کر سکے۔ قیمت ۱۱ر

(۶) **سرابِ عیش** اس میں طوائف سے نکاح کر کے ان کو بہو بیٹیوں میں لا کر ملانے کے نتائج پر نہایت
دلچسپ پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے اور تحقیق و تدقیق کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا جو جو
ملکی یا میونسپل قوانین کے ذریعہ سے ممکن ہیں ان کی صراحت کی گئی ہے ایک بڈھی نائکہ کے حالات کا
پورا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ قیمت ۱۰ر

---

(۱) **احیاءِ ملت**۔ اس میں بغرض اجتہاد بعض اہم مذہبی اور سوشل اصلاحات کو علمائے
مذہب کے سامنے پیش کیا ہے۔ قیمت ۸ر

(۲) **انیس الغرباء**۔ اس میں غریب مسلمانوں کی بہبودی کی بے شمار باتیں سہل
زبان میں جمع کر دی گئی ہیں۔ قیمت ۸ر

(۳) **دل کا عجائب خانہ**۔ ایک چھوٹی سی کتاب ہے لیکن قاری صاحب نے کوزہ میں
دریا کو بند کیا ہے۔ انسان کا دل ایک عجائب خانہ ہے۔ اس عجائب خانہ میں کس وقت کیا
چیز نظر آتی ہے اس کا ایک نقشہ آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ کہیں خوشی و عیش و عشرت ہے
کہیں رنج و الم اور ماتم، کتاب نہیں عجائب خانہ دل کا ایک مرقع ہے۔ قیمت ۴ر

(۴) **لطفِ زندگی**۔ قاری صاحب کے گل ریز قلم کا ایک نہایت مختصر مگر نہایت
دلچسپ فسانہ ہے۔ قیمت ۲ر

ملنے کا پتہ **دفتر رسالہ تمدن مٹیا محل دہلی**